ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اکیسویں صدی کی نسائی شاعری میں عورت کے وجودی مسائل کا اظہار

(EXPRESSION OF WOMEN'S EXISTENTIAL PROBLEMS IN 21ST CENTURY FEMINIST POETRY)

ڈاکٹر مبشر حسین

Dr. Mubashir Hussain
Associate Professor,
Govt. Associate College Phalia.
mubashirnike0@gmail.com

ڈاکٹر عظیم اللہ جندران

Dr. Azeemullah Jundran
Assistant Professor, Department of Urdu,
Superior University, Faisalabad.

Abstract:
This research article explores the multifaceted challenges of working women as depicted in contemporary Urdu poetry, specifically focusing on the "double grind" between professional obligations and domestic expectations. The study contextualizes the transition of women from the private sphere to the public workforce as a forced economic necessity rather than a purely liberating choice, rooted in the historical aftermath of the World Wars and the demands of the global capitalist system. Through a critical analysis of the works of prominent poets such as Parveen Shakir, Nasim Syed, and Dr. Fakhra Noreen, the article highlights the psychological and physical exhaustion inherent in the "double burden" of labor. It investigates the illusion of gender equality within capitalist structures, where women are often reduced to "service machines" while still being held solely responsible for domestic upkeep and childcare. Key themes include workplace harassment—symbolized by the figure of the "Stenographer"—the conflict between economic autonomy and emotional needs, and the gradual death of female creativity under the weight of financial survival. The study concludes that Urdu poetry serves as a powerful medium for exposing the systemic hypocrisy of a society that accepts women's economic contributions but refuses to dismantle the patriarchal barriers that hinder their true human and artistic growth.

- **Key words:** Working Women, Urdu Poetry, Double Burden, Workplace Harassment, Capitalist Exploitation, Gender Inequality, Parveen Shakir, Socio-Economic Struggle, Contemporary Pakistani Literature, Feminine Sensibility.

انسانی تاریخ میں عورت کے گھر کی چہار دیواری سے نکل کر معاشی تگ ودو کے میدان میں قدم رکھنے کا عمل محض ایک ارادی سماجی تبدیلی نہیں بلکہ ایک گہری معاشی اور تاریخی مجبوری کا نتیجہ تھا۔ بیسویں صدی کے اوائل تک یورپی معاشروں میں عورت کا بنیادی دائرہ کار امورِ خانہ داری اور بچوں کی پرورش تک محدود تھا، تاہم پہلی جنگ عظیم نے اس زمانے کے روایتی سماجی ڈھانچے کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ لاکھوں مردوں کی ہلاکت اور جنگی محاذوں پر روانگی نے کارخانوں اور دفاتر میں افرادی قوت کا ایسا خلا پیدا کیا جسے پُر کرنا ریاست کی بقا کے لیے ناگزیر ہو گیا تھا۔ یہ وہ موڑ تھا جہاں سے "گھر سے دفتر" تک کا وہ سفر شروع ہوا جسے اگرچہ بعد میں آزادیِ نسواں کے عنوان سے منسوب کیا گیا، مگر اس کی بنیاد میں ایک جبری معاشی ضرورت کارفرما تھی۔

اس تاریخی جبر اور معاشی بحران کی سنگینی کا ذکر کرتے ہوئے ایل ہینسن (L. Hanson) رقم طراز ہیں کہ جنگ عظیم کے بعد پیدا ہونے والے حالات نے عورت کو وہ بوجھ اٹھانے پر مجبور کر دیا جو اس سے پہلے صرف مرد کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ ان کے مطابق پہلی جنگ عظیم میں لاکھوں مردوں کی ہلاکت نے یورپ اور امریکہ میں ایک سنگین بحران پیدا کیا۔ یہ جنگ نہ صرف انسانی جانوں کا ضیاع تھی، بلکہ اس کے نتیجے میں بے شمار عورتوں کو شوہروں کے بغیر زندگی گزارنی پڑی۔... جنگ کے بعد مردوں کی کمی نے معاشی پیداوار پر منفی اثر ڈالا، جس کے نتیجے میں عورتوں کو مجبوراً گھروں سے باہر نکل کر مردوں کے کام کرنے کی جگہیں پر کرنی پڑی۔ (1)

یہ تبدیلی محض وقتی نہیں تھی بلکہ اس نے مستقبل کے نئے سماجی اور معاشی رویوں کی بنیاد رکھی۔ جنگ کے دوران مردوں کی بڑی تعداد میں ہلاکت اور محاذ سے واپس آنے والوں کی جسمانی و ذہنی معذوری نے معاشی پیداوار کے عمل کو مفلوج کر دیا تھا۔ اس صورت حال میں ریاست اور سرمایہ دارانہ نظام کے پاس عورت کو افرادی

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

قوت کے طور پر استعمال کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ جیکب ینگ (Jacob Young) کی تحقیق اس پہلو کو مزید واضح کرتی ہے کہ کس طرح معاشی ضرورت نے عورت کو گھر کے محفوظ حصار سے نکال کر صنعتی مشقت کی نذر کیا۔ جنگ کے بعد مردوں کی کمی نے معاشی پیداوار پر منفی اثر ڈالا، جس کے نتیجے میں عورتوں کو مجبوراً گھروں سے باہر نکل کر مردوں کے کام کرنے کی جگہیں پر کرنی پڑی۔ (2)

اس طرح، یورپی پس منظر میں عورت کا معاشی میدان میں ورود ایک شعوری انتخاب سے زیادہ ایک ایسی جبری مسافت تھی جس نے اسے گھر کی روایتی آسودگی سے نکال کر دفاتر کی مشینی زندگی اور بازار کی بے رحم مسابقت کے سپرد کر دیا۔ اس جبری سفر نے عورت کی زندگی میں "دوہری مشقت" کے اس نئے باب کا آغاز کیا جہاں اسے نہ صرف باہر کے معاشی محاذ پر خود کو منوانا تھا بلکہ گھر کی داخلی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی تنہا اٹھانا تھا۔ یہی وہ معاشی پس منظر ہے جس نے جدید دنیا میں ورکنگ وومن کے مسائل کی بنیاد رکھی اور جسے بعد میں اردو شاعرات نے اپنے کلام میں سماجی ناانصافی اور صنفی استحصال کے طور پر موضوع بنایا۔

مغرب میں صنعتی انقلاب اور مابعد جنگ کے اثرات نے جس "مساواتِ مرد و زن" کے نظریے کو جنم دیا، وہ در حقیقت ایک ایسی فکری طلسم سازی تھی جس کا مقصد صنفِ نازک کی فلاح سے زیادہ سرمایہ دارانہ نظام کے مفادات کا تحفظ تھا۔ سرمایہ داری ایک ایسا معاشی ڈھانچہ ہے جو خالصتاً نفع اور پیداوار کی بنیادوں پر استوار ہے، اور اس نظام نے عورت کو گھر کی مرکزیت سے نکال کر بازار کی وسعتوں میں لانے کے لیے "برابری" کا ایک ایسا پرکشش سراب تخلیق کیا جس نے عورت کو نفسیاتی طور پر یہ یقین دلا دیا کہ اس کی نجات مردوں کے شانہ بشانہ مشقت کرنے میں ہے۔ حقیقتِ حال یہ تھی کہ سرمایہ دارانہ نظام کو سستی اور کثیر افرادی قوت کی ضرورت تھی، جس کے لیے عورت سے بہتر کوئی متبادل موجود نہ تھا۔ یوں مساوات کا یہ نعرہ در حقیقت ایک استحصالی حربہ ثابت ہوا جس نے عورت کو معاشی آزادی کے نام پر ایک نئی قسم کی مشینی غلامی میں دھکیل دیا۔

اس نظام کی فکری عیاری کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مغربی مرد نے مساوات کے تصور کو اپنے ذاتی بوجھ کو کم کرنے کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا۔ جب معاشی حالات نے پلٹا کھایا اور زندگی کا معیار برقرار رکھنا مشکل ہوا، تو مرد نے ان ذمہ داریوں کو جو روایتی طور پر اس کے کندھوں پر تھیں، عورت کے ساتھ بانٹنے کا فیصلہ کیا، مگر اسے "حقوق" کا نام دے کر پیش کیا۔ اس فکری فریب کاری پر تبصرہ کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی کے حوالے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے:

"مغرب میں مساوات کا نظریہ یہ تھا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو یکساں صلاحیتوں سے نوازا ہے اور وہ جو کچھ کر سکتا ہے، عورت بھی وہی کر سکتی ہے۔ اس نظریے کے تحت، مرد اور عورت کی جدوجہد ایک ہونی چاہیے تھی، تاہم اس کے پس منظر میں مغربی مردوں کا یہ مقصد بھی تھا کہ وہ عورت پر وہ ذمہ داریاں ڈال سکیں جو عام طور پر مردوں پر ہوتی تھیں، تاکہ وہ اپنے بلند معیار زندگی کو برقرار رکھ سکیں۔"(3)

سرمایہ دارانہ نظام کی اس عیاری نے عورت کی "فطری آزادی" کو "نمائشی آزادی" میں بدل دیا۔ وہ عورت جو پہلے گھر کے اندر ایک ملکہ کی حیثیت رکھتی تھی، اب کارخانوں اور دفاتر میں ایک ایسی "پرزہ صفت" ہستی بنا دی گئی جس کا کام صرف معاشی پہیے کو گردش میں رکھنا تھا۔ اس ظاہری ترقی اور آزادی کے پیچھے چھپے ہوئے استحصالی چہرے کو اگر ادبی اور سماجی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کو محض ایک تجارتی جنس یا خدمات فراہم کرنے والی مشین کے طور پر برتا گیا۔ یورپ کے مرد نے جو عورت کو آزادی دی، وہ ایک سطح پر مساوات کا دعویٰ کرتی ہوئی آزادی تھی، لیکن حقیقت میں یہ آزادی محض ایک دکھاوا تھا۔ اس آزادی کا اصل مقصد عورت کو محض خدمات فراہم کرنے والی مشین بنا دینا تھا، تاکہ مرد اپنے فائدے کے لیے ان سے نوکریاں کروائے، بھاری کاموں کو انجام دے اور اپنی عیاشی کی تکمیل کے لیے انھیں استعمال کرے۔

نتیجتاً، مساوات کا یہ سراب عورت کے لیے ایک ایسے دوہرے عذاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا جہاں اسے معاشی خود کفالت کی قیمت اپنی نسوانی لطافت، گھریلو سکون اور فکری یکسوئی کی صورت میں چکانی پڑی۔ سرمایہ دارانہ نظام نے اسے "آزاد" تو کر دیا مگر اس کی روح کو معاشی مسابقت کی زنجیروں میں جکڑ لیا۔ اردو شاعرات کے ہاں اس عیاری کے خلاف جو احتجاج ملتا ہے، وہ اسی تلخ تجربے کی بازگشت ہے جس نے ورکنگ وومن کو جدید دور کی ایک ایسی مظلوم ہستی بنا دیا جو برابر ہونے کے دعوے کے باوجود استحصال کی چکی میں پس رہی ہے۔

ورکنگ وومن کی زندگی میں سب سے سنگین نفسیاتی المیہ وہ 'دوہری مشقت' ہے جس نے اسے گھر اور دفتر کے متضاد تقاضوں کے درمیان ایک ایسی مشینی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے جہاں آرام ایک خواب اور توازن ایک مستقل جدوجہد بن چکا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے عورت کو معاشی آزادی کا مژدہ تو سنایا، لیکن اس کے بدلے اس سے وہ خاندانی سکون چھین لیا جو اس کی شخصیت کی بنیاد تھا۔ جدید دور کی ملازم پیشہ عورت ایک ایسی "دوہری چکی" میں پس رہی ہے جہاں اسے دفتر میں ایک مستعد کارکن کے طور پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانا پڑتا ہے اور گھر لوٹتے ہی وہی تمام روایتی گھریلو ذمہ داریاں (کھانا پکانا، صفائی، بچوں کی پرورش) اس کا انتظار کر رہی ہوتی

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ہیں۔ یہ صورتحال نہ صرف جسمانی تھکن کا باعث بنتی ہے بلکہ اس کے اعصاب پر ایک ایسا بوجھ لاد دیتی ہے جو اسے مستقل نفسیاتی تناؤ اور ادھورے پن کے احساس میں مبتلا رکھتا ہے۔

اس دوہری مشقت کے اعداد و شمار اور صنفی عدم مساوات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ معاشی میدان میں شراکت کے باوجود گھر کے اندر مردوں نے اپنی روایتی ذمہ داریوں میں کوئی خاطر خواہ حصہ نہیں لیا۔ اس نفسیاتی دباؤ اور وقت کی غیر منصفانہ تقسیم پر تبصرہ کرتے ہوئے جیکب ینگ (Jacob Young) کی تحقیق کے مطابق، خواتین کو دوہری ذمہ داریوں کا سامنا ہے: ایک طرف انھیں کام پر مکمل وقت گزارنا پڑتا ہے اور دوسری طرف گھریلو ذمہ داریوں کو بھی نبھانا ہوتا ہے۔ روسی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین ہفتے میں ۳۲ گھنٹے کام کرتی ہیں، جبکہ مردوں کا اوسطاً کام کرنے کا وقت صرف چھ گھنٹے ہوتا ہے۔(4)

یہ نفسیاتی صورتحال اس وقت مزید پیچیدہ ہو جاتی ہے جب معاشرہ عورت سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ باہر کی دنیا میں اپنی پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ ساتھ گھر کے اندرونی ماحول کی معنوی و روحانی اقدار کو بھی اسی طرح برقرار رکھے جیسے اس کی پیشرو خواتین رکھتی تھیں۔ خاندان کی بقا اور استحکام کے لیے عورت کا کردار مرکزی رہا ہے، لیکن اسے اس کے فطری مقام سے ہٹا کر معاشی تگ و دو میں شامل کرنے سے گھر کے اندر جو خلا پیدا ہوتا ہے، وہ صرف معاشی خوشحالی سے پُر نہیں کیا جا سکتا۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سماجی و جذباتی نقصان یہ ہے کہ خاندان کی تشکیل میں مرد و عورت دونوں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں، لیکن گھر کے اندر معنوی و روحانی اقدار کو پروان چڑھانے میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اگر عورت کو گھر سے ہٹا کر دفاتر یا کارخانوں میں بھیج دیا جائے تو خاندان کی جو جگہ خالی ہو جاتی ہے، اسے کسی بھی صورت پُر نہیں کیا جا سکتا۔

ورکنگ وومن کی نفسیات اس تضاد کی اسیر ہے جہاں وہ ایک طرف اپنی معاشی خود مختاری پر فخر کرتی ہے، تو دوسری طرف وہ اپنی 'ماں' یا 'بیوی' ہونے کی ان ذمہ داریوں کے تلے دبی ہوئی ہے جن سے دستبرداری سماجی طور پر ممکن نہیں۔ اس "دوہری چکی" نے عورت کو ایک ایسے مسلسل اعصابی تناؤ میں جکڑ دیا ہے جہاں وہ ہر دو محاذوں پر مکمل نظر آنے کی کوشش میں اندرونی طور پر بکھر رہی ہے۔ اردو شاعرات نے اس جذباتی تھکن اور سماجی بوجھ کو اپنے کلام میں احتجاج اور دکھ کی صورت میں پرویا ہے، جو جدید عورت کی زندگی کی ایک تلخ سچائی بن کر ابھرا ہے۔

معاشی ضرورت کے تحت دہلیز سے باہر قدم رکھنے والی عورت کے لیے دفتری ماحول محض ایک جائے عمل نہیں بلکہ ایک ایسی آزمائش گاہ بھی ہے جہاں اسے قدم قدم پر مردانہ بالادستی اور ہوس ناک نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دفتری فضاؤں میں صنفی عدم تحفظ وہ تلخ حقیقت ہے جو ورکنگ وومن کی پیشہ ورانہ زندگی کو ایک نفسیاتی بوجھ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اردو کی جدید نسائی نظم، بالخصوص پروین شاکر کے ہاں، یہ دکھ ایک علامتی جہت اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے کلام میں 'اسٹینو گرافر' محض ایک عہدہ نہیں بلکہ اس معاشی مجبوری کی علامت ہے جو ایک لڑکی کو خوف اور عدم تحفظ کے سائے میں جینے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ کردار اس گھناؤنے معاشرتی رویے کو بے نقاب کرتا ہے جہاں عورت کی محنت کو تسلیم کرنے کے بجائے اس کی موجودگی کو جنسی تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ پروین شاکر نے اس داخلی اور خارجی کرب کو نہایت دردمندی سے ان الفاظ میں ڈھالا ہے:

"ڈر ڈر کے قدم اُٹھاتی
اک اسٹینو گرافر
اپنے گھر لوٹ آتی ہے
اور ٹوٹی ہوئی دیوار کو تھام کے شاید روز ہی کہتی ہے
مالک!
اِک دن ایسا بھی آئے
مرے سر پہ چھت پڑ جائے! "(5)

دفتری ہراسگی کا یہ پہلو صرف جسمانی یا براہِ راست تشدد تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی خاموش اور زہریلی نفسیاتی فضا کی صورت میں موجود ہے جہاں عورت کو مسلسل ایک 'نمائشی شے' سمجھا جاتا ہے۔ مردانہ سماج میں عورت کی ذہانت اور قابلیت کو اکثر پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے اور اسے محض ایک ایسی جنس قرار دیا جاتا ہے جسے استعمال کے بعد فراموش کیا جا سکتا ہے۔ اس استحصالی ذہنیت نے دفتری ماحول کو ایک ایسی "تماشا گاہ" بنا دیا ہے جہاں عورت کی عزتِ نفس ہر لمحہ داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ پروین

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

شاکر نے اس ذہنی رویے پر کڑی تنقید کی ہے جہاں اعلیٰ طبقے کی محفلوں یا دفاتر میں عورت کو ایک "اضافی شے" (Post-dinner item) کی طرح برتا جاتا ہے۔ اس طنزیہ اور کرب ناک کیفیت کا اظہار ان کے ہاں کچھ اس طرح ملتا ہے:

"اس پسندیدگی کا بہت شکریہ
اب یہ فرمائیں، کیا پیش ہو
چائے، کافی کہ شاعر!" (6)

یہ "علامتی دکھ" دراصل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ورکنگ وومن کے لیے معاشی خود مختاری کا راستہ کتنا کٹھن ہے۔ وہ ایک طرف گھر کی معیشت کا بوجھ اٹھاتی ہے اور دوسری طرف اسے ان مردانہ رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اسے ایک مکمل انسان کے بجائے محض اپنی تسکین کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسٹینو گرافر کا سہما ہوا وجود اور اس کی "سر پہ چھت" (یعنی مکمل تحفظ) کی خواہش دراصل پوری صنفِ نازک کی پکار ہے جو ایک محفوظ اور باعزت دفتری ماحول کی متلاشی ہے۔ جدید اردو نظم نے اس موضوع کو چھیڑ کر دراصل معاشرتی ضمیر کو جھنجھوڑا ہے کہ وہ عورت کی دہلیز سے باہر کی زندگی کو محض ایک کاروباری ضرورت نہ سمجھے بلکہ اس کے انسانی وقار اور تحفظ کو اولیت فراہم کرے۔ اس طرح، اسٹینو گرافر کا دکھ اردو شاعری میں ورکنگ وومن کے مجموعی عدم تحفظ کا ایک طاقتور استعارہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ایشیا کے مخصوص سماجی اور معاشی تناظر میں "مزدور عورت" کا تصور محض ایک معاشی اکائی کا نہیں بلکہ یہ جفاکشی، ایثار اور مامتا کے ایک انوکھے ملاپ کی داستان ہے۔ مغربی ممالک کے برعکس، جہاں عورت کا گھر سے باہر نکلنا اکثر مساوات یا انفرادی آزادی کے نظریات سے جڑا رہا، ایشیائی معاشروں میں، بالخصوص نچلے طبقے کی عورت کے لیے، مشقت ایک جبری حقیقت ہے جو اسے اپنی اولاد کی بقا کے لیے قبول کرنی پڑتی ہے۔ یہ عورت ایک ایسے دوہرے بوجھ تلے دبی ہے جہاں اسے تپتے سورج تلے جسمانی محنت بھی کرنی ہے اور اپنے وجود کے اندر ایک نئی زندگی کی پرورش بھی۔ نسیم سید کی شاعری میں ایشیا کی اس محنت کش عورت کا نقشہ نہایت جاندار اور حقیقت پسندانہ انداز میں کھینچا گیا ہے، جہاں وہ اسے ایک ایسی "چٹان" کے طور پر پیش کرتی ہیں جو بظاہر نازک ہے مگر اس کی قوتِ برداشت پہاڑوں سے زیادہ ہے۔

نسیم سید نے اپنی نظم میں اس عورت کی جسمانی مشقت اور اس کے بطن میں پلتی ممتا کے درمیان موجود گہرے تعلق کو جس فنی مہارت سے بیان کیا ہے، وہ اس صنف کے استحصال اور عظمت دونوں کو آشکار کرتا ہے۔ ان کے نزدیک مزدور عورت کا پسینہ اور اس کے قدموں کی مضبوطی دراصل اس کے خاندان کی زندگی کی ضمانت ہے۔ اس حوالے سے ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

"تغاری سر پہ دھرے تر بہ تر پسینے سے
اٹھائے مامتا کا بوجھ نو مہینے سے
دہکتی ریت پہ اپنے قدم جمائے ہوئے
مشقتوں کی نظر سے نظر ملاتے ہوئے" (7)

ایشیائی مزدور عورت کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی "ذات" کی نفی کر کے "خاندان" کی تعمیر میں صرف کر دیتی ہے۔ وہ معاشیات کی اس پازیب کو پہنتی ہے جس کی آواز میں موسیقی نہیں بلکہ مشقت کی کراہیں شامل ہوتی ہیں۔ اس کا کردار محض اینٹیں ڈھونے یا کھیتوں میں کام کرنے تک محدود نہیں، بلکہ وہ اپنے گھرانے کی سب سے بڑی "غمگسار" اور "وفا شعار" ہستی بن کر ابھرتی ہے۔ وہ خود کو چکی کے پاٹوں کے درمیان پیس کر اپنے بچوں کے لیے رزق فراہم کرتی ہے، مگر اس عظیم قربانی کے بدلے اسے سماجی سطح پر وہ مقام نہیں ملتا جس کی وہ مستحق ہے۔ نسیم سید نے اس عورت کی بے بساطی اور اس کی ناگزیر ضرورت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

"یہ خود کو پیس کے گھر کو اناج دیتی ہے
یہ بے بساط ہے، لیکن یہ غمگسار بھی ہے
وفا شعار بھی ہے، جانِ روزگار بھی ہے" (8)

ایشیا کی مزدور عورت کا تصور جفاکشی اور مامتا کے ایک ایسے امتزاج پر مبنی ہے جس میں وہ اپنے وجود کی تمام تر توانائیاں دوسروں کے سکھ کے لیے وقف کر دیتی ہے۔ اس کی زندگی دہکتی ریت اور سخت اینٹوں کے درمیان گزرتی ہے، مگر اس کا دل محبت اور فکرِ اولاد سے لبریز رہتا ہے۔ اردو شاعری نے اس طبقے کی عورت کو محض ایک محنت کش کے طور پر نہیں دیکھا، بلکہ اسے ایک ایسی "مقدس معمار" کے روپ میں پیش کیا ہے جو اپنی مشقت سے معاشرت کی بنیادوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ بیانیہ ہمیں اس سچائی سے روشناس کراتا ہے کہ ایشیائی محنت کش عورت کا ہر قطرہ پسینہ دراصل اس کی ممتا کی وہ گواہی ہے جو وہ وقت کی ظالم گزرگاہوں پر درج کرتی جاتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عصرِ حاضر کی ملازمت پیشہ عورت کی شخصیت ایک ایسے منطقی اور جذباتی تضاد کا شکار ہے جہاں ایک طرف اس کی معاشی خود مختاری اسے معاشرے میں "تناور شجر" بنا کر پیش کرتی ہے، تو دوسری طرف اس کی فطری اور جذباتی جبلت اسے کسی سہارے کی تلاش پر مجبور رکھتی ہے۔ یہ تضاد دراصل جدید نسائی شعور اور قدیم انسانی جبلت کے درمیان جاری ایک ایسی کشمکش ہے جو ورکنگ وومن کے داخلی وجود کو تقسیم کر دیتی ہے۔ خود انحصاری کا احساس عورت کو ایک گونا گوں اعتماد بخشتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کی راہیں خود متعین کر سکتی ہے اور اپنے وجود کی ہریالی کے لیے کسی خارجی بارش یا ہوا کی محتاج نہیں، مگر اسی مضبوطی کے پسِ پردہ ایک ایسا جذباتی خلا بھی موجود ہوتا ہے جو تنہائی کے لمحات میں شدت اختیار کر لیتا ہے۔ پروین شاکر نے اس نفسیاتی کیفیت کو ایک علامتی پیکر میں ڈھال کر اس "ورکنگ وومن" کے فکری و جذباتی تضاد کو ان الفاظ میں بے نقاب کیا ہے:

"ایک تناور پیڑ ہوں اب میں
اور اپنی زرخیز نمو کے سارے امکانات کو بھی پہچان رہی ہوں
لیکن میرے اندر کی یہ بہت پرانی بیل
کبھی کبھی، جب تیز ہوا ہو
کسی بہت مضبوط تنے سے لپٹنا چاہتی ہے! (9)

یہ تضاد اس سماجی ڈھانچے کی دین ہے جہاں عورت کو معاشی میدان میں تو "مرد" کے برابر کھڑا کر دیا گیا، مگر اس کی جذباتی ضروریات اور اس کے مخصوص نسائی احساسات کو "خود مختاری" کے بوجھ تلے دبا دیا گیا۔ ورکنگ وومن کی زندگی میں یہ کشمکش محض ذاتی نہیں بلکہ ایک وسیع تر سماجی المیے کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ کامیابیوں پر فخر تو کرتی ہے، مگر رشتوں کے توازن اور شریکِ سفر کی جذباتی رفاقت کی کمی اسے اندرونی طور پر کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اس کا "فکری وجود" اسے بلند پروازی سکھاتا ہے، لیکن اس کا "جذباتی وجود" اسے گھر کے آنگن اور محبت کے تحفظ کی طرف کھینچتا ہے۔ جدید اردو شاعری میں عورت کے اس دوہرے پن کو محض ایک کمزوری کے طور پر نہیں بلکہ ایک جیتے جاگتے انسانی تجربے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جہاں خودداری اور وابستگی کے تقاضے بیک وقت اسے آزمائش میں ڈالے رکھتے ہیں۔ اس فکری پیچیدگی پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد تنویر رقمطراز ہیں:

"پروین کا یہ جرات مندانہ قدم اس کے باغی ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ پھر بھی اس طرح کی ذہنیت بدلے ہوئے دور کے بدلے ہوئے مزاج کی عورت کی آئینہ دار ہے۔ وہ ایک طرف اپنی خودی کو بلند کرتی ہے، تو دوسری طرف محبت کی رومانویت اسے کسی سہارے کی طرف کھینچتی ہے۔"(10)

ورکنگ وومن کا تضاد دراصل اس کی اس جدوجہد کی کہانی ہے جس میں وہ اپنی شناخت کو کسی کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے خود تعمیر تو کرتی ہے، مگر اس تعمیر کے دوران وہ ان انسانی جذبوں سے دستبردار نہیں ہو سکتی جو اس کی روح کی بنیادی ضرورت ہیں۔ خود مختاری اسے وقار عطا کرتی ہے، جبکہ جذباتی ضرورت اسے اپنی جڑوں سے جوڑے رکھتی ہے۔ اردو کی معاصر شاعرات نے اس تضاد کو جس گہرائی سے محسوس کیا ہے، وہ اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ عورت محض ایک معاشی مشین نہیں بلکہ احساسات کا وہ سمندر ہے جہاں لہروں کا شور اور گہرائی کا سکوت ایک ساتھ قیام پذیر ہیں۔ یہ نیا بیانیہ جدید عورت کی مکمل انسانی تصویر پیش کرتا ہے جو اپنی طاقت اور نزاکت دونوں کو تسلیم کرتے ہوئے زندگی کے سفر پر گامزن ہے۔

جدید دور کے معاشی جبر نے جہاں عورت کی سماجی زندگی کو متاثر کیا ہے، وہیں اس کا سب سے بڑا نشانہ اس کی "تخلیقی روح" بنی ہے۔ ورکنگ وومن کے لیے معاشی بقا کی جدوجہد محض وقت کی قربانی نہیں مانگتی، بلکہ یہ اس کے اندر موجود فنکار اور مفکر کی بتدریج موت کا سبب بھی بنتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی سنگدلی اور معاشی ناہمواریوں کو جدید اردو نظم میں ایک ایسی "ڈائن" سے تشبیہ دی گئی ہے جو عورت کے خوابوں، رنگوں اور اس کی تخلیقی حساسیت کو ہڑپ کر جاتی ہے۔ یہ صورتحال عورت کو ایک ایسی کیفیت میں دھکیل دیتی ہے جسے معاصر شاعرات نے "رائیگانی کی ایپک" (Epic of Waste) قرار دیا ہے۔ یہاں رائیگانی سے مراد وہ ضیاع ہے جو ایک عورت اپنی فطری صلاحیتوں اور فنکارانہ جبلت کو معاشی تقاضوں کی نذر کر کے محسوس کرتی ہے۔ اس ذہنی کرب اور تخلیقی نارسائی کو ڈاکٹر فاخرہ نورین نے اپنے کلام میں نہایت گہری علامتی معنویت عطا کی ہے، جہاں معیشت کا دباؤ وجود کو خاک میں ملانے کی دھمکی دیتا ہے۔

"نظم ''رائیگانی کی ایپک'' میں تصورِ عورت ایک ایسی وجود کے طور پر ابھرتا ہے جو معاشی اور سماجی دباؤ کے سامنے اپنی تخلیقی اور جذباتی حساسیت کو بچانے کی جدوجہد کرتی ہے۔... معیشت کی 'ڈائن' اور وقت کی روانی اس کے وجود کو خاک میں ملانے کی دھمکی دیتی ہے۔ اس کے باوجود، وہ اپنی نگاہ اور تخیل کی قوت سے زندگی کے جلوؤں کو دیکھنے کی خواہش رکھتی ہے۔ (11)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تخلیقی موت کا یہ المیہ اس وقت مزید سنگین ہو جاتا ہے جب ورکنگ وومن اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دب کر اپنی انفرادی شناخت اور باطنی خوشی سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔ معیشت کی اس بھاگ دوڑ میں اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں بچتا کہ وہ اپنے بکھرے ہوئے خوابوں کو سمیٹ سکے یا اپنی ذات کے آئینے میں اپنا حقیقی عکس دیکھ سکے۔ عنبرین صلاح الدین جیسی جدید شاعرات کے ہاں یہ احساس ایک ایسی بیزاری اور بوجھ کی صورت میں سامنے آتا ہے جہاں عورت خود کو اپنے ہی وجود پر بار محسوس کرنے لگتی ہے۔ یہ رائیگانی محض وقت کا گزر نا نہیں بلکہ ایک ایسی فکری شکست ہے جہاں اظہار کی خواہش تو موجود ہوتی ہے مگر معاشی تھکن اسے الفاظ میں ڈھلنے نہیں دیتی۔ اس وجودی ناآسودگی اور تخلیقی جمود کو عنبرین صلاح الدین نے ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے:

"بہت بے زار ہوتی جا رہی ہوں
میں خود پر بار ہوتی جا رہی ہوں
بہت مدت سے اپنی کھوج میں تھی
سو اب اظہار ہوتی جا رہی ہوں" (12)

معیشت کی "ڈائن" ورکنگ وومن کے تخلیقی سفر میں ایک ایسی رکاوٹ ہے جو اسے "پرزہ صفت" وجود بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ جدید اردو نظم نے اس رائیگانی کو ایک المیہ داستان (Epic) کے طور پر پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ معاشی خود مختاری اگر عورت کی تخلیقی موت کی قیمت پر حاصل ہو، تو وہ آزادی نہیں بلکہ ایک نئی قسم کی اسیری ہے۔ شاعرات کا یہ بیانیہ دراصل اس احتجاج کی آواز ہے جو مادی ترقی کے نام پر انسانی روح اور فن کے قتل کے خلاف بلند کی گئی ہے۔ اس فکری رخ نے اردو شاعری میں "محنت" اور "تخلیق" کے درمیان موجود اس خلیج کو نمایاں کر دیا ہے جس کا سامنا آج کی ہر باشعور اور حساس ملازم پیشہ عورت کو کرنا پڑ رہا ہے۔

ورکنگ وومن کے معاشی سفر میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ 'دروں خانہ' (گھریلو) حدود ہیں جو اس کی پیشہ ورانہ مہارت اور فطری استعداد کو روایتی ذمہ داریوں کی بھٹی میں جھونک دیتی ہیں۔ ایک ملازم پیشہ عورت جب دفتر سے گھر لوٹتی ہے، تو اس کی علمی و فنی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے اور اس کا سابقہ ان فرسودہ توقعات سے پڑتا ہے جو اسے محض باورچی خانے اور چولہے کے دھوئیں تک محدود دیکھنا چاہتی ہیں۔ یہ سماجی جبر اسے ایک ایسی نفسیاتی قید میں رکھتا ہے جہاں اس کی پیشہ ورانہ مہارت خاندانی 'ناک' اور 'رواج' کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ جدید اردو نظم میں اس المیے کو بہت گہرائی سے محسوس کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک ماہرِ فن عورت کے پاؤں میں گھریلو مصروفیات کی بیڑیاں ڈال کر اس کی پرواز کو روکا جاتا ہے۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین کے کلام میں یہ تضاد ایک ایسی عورت کی صورت میں ابھرتا ہے جو فنِ رقص سے واقف ہے مگر چولہے کی دیوار اس کے لیے رکاوٹ بن جاتی ہے۔ وہ گھنگروؤں کی آواز سنتی ہے، مگر چلمانی کی دیوار اسے روکتی ہے اور وہ اپنے ماضی کے رقاصہ ہونے کی حسرت کو دل میں سمیٹتی ہے۔ فاخرہ نورین عورت کو ایک ایسی ہستی کے طور پر پیش کرتی ہیں جو خاندانی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے اپنی خواہشات کو دباتی ہے، مگر اس کی اندرونی چھنکار اس کی تخلیقی اور جذباتی قوت کی علامت بنتی ہے۔ (13)

یہ 'دروں خانہ' رکاوٹیں دراصل اس پدر سرانہ ذہنیت کی عکاس ہیں جو عورت کی معاشی کامیابی کو تو قبول کر لیتی ہے مگر اس کی شخصی شناخت اور پیشہ ورانہ وقار کو تسلیم کرنے میں تامل کرتی ہے۔ گھر کے کام کاج کو عورت کی معراج قرار دینے والے سماج میں، ایک پڑھی لکھی اور برسرِ روزگار خاتون کو بھی اسی 'چولہے چکی' کے نصاب سے گزرنا پڑتا ہے جو اس کے فنی ارتقاء کی راہ میں دیوار بن جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں عورت کا سکھ دکھ اس کے گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے پاس اپنی پیشہ ورانہ شناخت کو نکھارنے کے لیے نہ وقت بچتا ہے اور نہ ہی توانائی۔ نجمہ رحمانی نے اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے جہاں عورت کی پوری ہستی گھر کے دھندوں کی نذر ہو جاتی ہے:

"کشور کے کلام میں نظر آنے والی عورت... گھر کے دھندوں کو نمٹانے میں اتنی محو ہے کہ اس کے پاس گھر سے باہر نکلنے، لوگوں سے ملنے جلنے کا وقت ہی نہیں۔ جس کا سکھ دکھ اس کے گھر کے اندر چولھے کے دھوئیں میں کبھی آٹا گوندھتے یا لکڑیاں سلگاتے اس کے آس پاس ہی رہتا ہے۔" (14)

نتیجتاً، ورکنگ وومن کے لیے پیشہ ورانہ مہارت کی قربانی ایک ایسا خاموش عمل بن جاتا ہے جس کا کوئی اعتراف نہیں کیا جاتا۔ وہ دفاتر میں بڑے بڑے فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود گھر کی 'مصلحتوں' اور 'آداب' کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ جدید شاعرات نے اس نکتے کو ابھارا ہے کہ عورت کا "فرد" ہونا اس کے "گھریلو" ہونے سے کہیں زیادہ اہم ہے، مگر سماجی ڈھانچہ اسے مسلسل ایک متبادل وجود کے طور پر برتتا ہے۔ 'دروں خانہ' کی یہ رکاوٹیں نہ صرف اس کی ترقی کی رفتار سست کرتی ہیں بلکہ اس کے اندر ایک مستقل محرومی اور ادھورے پن کا احساس پیدا کر دیتی ہیں، جو اس کی پیشہ ورانہ زندگی پر بھی منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ اردو نظم کا یہ بیانیہ

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

دراصل اس مطالبے پر مبنی ہے کہ عورت کی پیشہ ورانہ مہارت کو گھریلو مصلحتوں کی نذر ہونے سے بچایا جائے تاکہ وہ ایک مکمل اور متوازن انسانی اکائی کے طور پر اپنی شناخت منوا سکے۔

اس مطالعے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ورکنگ وومن کی زندگی محض معاشی خود مختاری کی داستان نہیں بلکہ یہ "گھر اور دفتر کی دوہری چکی" میں پسنے والے ایک حساس وجود کا نوحہ ہے۔ معاصر اردو شاعری، بالخصوص جدید نظم نگار شاعرات نے اس تلخ سچائی کو بڑی فنکاری سے بیان کیا ہے کہ کس طرح سرمایہ دارانہ نظام نے "مساوات" کے دلکش سراب کے ذریعے عورت کو دہلیز سے باہر تو نکالا، مگر اسے تحفظ، سکون اور خاندانی تعاون فراہم کرنے میں ناکام رہا۔ پروین شاکر، نسیم سید، اور فاخرہ نورین جیسی شاعرات کے کلام میں ورکنگ وومن کا تصور ایک ایسے "تناور شجر" کا ہے جس کی جڑوں میں سماجی جبر اور دفتری ہراسگی کا زہر اتارا جا رہا ہے۔ عورت اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور تخلیقی جوہر کو گھریلو مصلحتوں اور معاشی ڈائن کی نذر کر رہی ہے۔ یہ آرٹیکل ثابت کرتا ہے کہ جب تک معاشرہ عورت کی معاشی جدوجہد کو اس کے انسانی وقار اور گھریلو توازن کے ساتھ تسلیم نہیں کرے گا، ورکنگ وومن کے مسائل ایک لامتناہی "رائیگانی کی ایپک" بنے رہیں گے۔

تحقیق کے نتائج یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ورکنگ وومن کے مسائل کی جڑیں عالمی معاشی تبدیلیوں اور پدرسرانہ معاشرتی ڈھانچے کے تضاد میں پیوست ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ کہ عورت کی معاشی میدان میں شمولیت ایک جبری سفر تھا جس نے اس پر "دوہری مشقت" کا بوجھ لاد دیا، کیونکہ مرد نے دفتری بوجھ بانٹنے کے باوجود گھریلو ذمہ داریوں میں اپنا حصہ نہیں ڈالا۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ دفتری ماحول میں عورت آج بھی "اسٹینو گرافر" جیسے علامتی عدم تحفظ کا شکار ہے، جہاں اس کی قابلیت سے زیادہ اس کی صنف کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تیسرا اہم نتیجہ یہ ہے کہ معاشی دباؤ عورت کی "تخلیقی موت" کا باعث بن رہا ہے، جہاں وہ اپنی فطری استعداد (جیسے فن یا رقص) کو چولہے اور فائل کے درمیان قربان کر دیتی ہے۔ مجموعی طور پر، جدید اردو شاعری نے ورکنگ وومن کو ایک ایسی "مضبوط مگر تھکی ہوئی" ہستی کے طور پر پیش کیا ہے جو اپنی شناخت کی بقا کے لیے ہر دو محاذوں پر برسرِ پیکار ہے۔

سفارشات(Recommendations)

1. معاشرتی سطح پر ایسی آگہی مہم چلائی جائے جو مردوں کو گھر کے کاموں میں شراکت داری کی ترغیب دے، تاکہ ورکنگ وومن پر موجود دوہری مشقت کے بوجھ کو کم کیا جا سکے۔
2. ورک پلیس پر ہراساں کیے جانے کے خلاف موجود قوانین پر سختی سے عمل درآمد یقینی بنایا جائے تاکہ "اسٹینو گرافر" جیسا خوف اور عدم تحفظ نسائی شاعری اور سماج کا مستقل عنوان نہ رہے۔
3. اداروں میں ورکنگ وومن کے لیے ایسے ماحول اور اوقاتِ کار وضع کیے جائیں جہاں وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اپنی تخلیقی اور فنکارانہ صلاحیتوں کو بھی زندہ رکھ سکیں۔
4. عورت کی گھریلو محنت کو بھی معاشی اہمیت دی جائے اور اسے "مفت کی خدمت" سمجھنے کے بجائے ایک قابلِ قدر معاشی شراکت کے طور پر تسلیم کیا جائے۔
5. جامعات کے شعبہ اردو میں "ورکنگ وومن کے سماجی و ادبی مسائل" پر خصوصی تحقیقی منصوبے شروع کیے جائیں تاکہ ادب کے ذریعے ان مسائل کا حل تلاش کرنے میں مدد مل سکے۔

حوالہ جات

1. Hanson, J,L: Dictionary of Economies and Commerce, 5th Edition, R-Machonld & Evans, P-62
2. محمد قطب: اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۳
3. امین احسن اصلاحی: پاکستانی عورت دوراہے پر، مرکزی انجمن خدام القرآن، 1978ء، ص 71
4. Jacob Young: Newsweek, April 16, 1984, Newyark
5. پروین شاکر، صد برگ، غالب پبلشرز، دہلی، 1981ء، ص110
6. ایضاً، ص272
7. نسیم سید، آدھی گواہی، ارتقاء مطبوعات، کراچی، 1994ء، ص47

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

8. ایضاً، ص47
9. پروین شاکر، صد برگ، غالب پبلشرز، دہلی، 1981ء، ص113
10. محمد تنویر، ڈاکٹر، پروین شاکر کی شاعری: ایک تنقیدی جائزہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2014ء، ص54
11. فاخرہ نورین، سرمئی نظمیں، کولاج پبلی کیشنز، لاہور، 2025ء، ص14
12. عنبرین صلاح الدین، صدیوں جیسے پل، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء، ص106
13. فاخرہ نورین، سرمئی نظمیں، کولاج پبلی کیشنز، لاہور، 2025ء، ص49
14. نجمہ رحمانی، آزادی کے بعد اردو شاعرات، بھارت آفسیٹ، دہلی، 1994ء، ص79

Hawala Jaat

1. Hanson, J. L., *Dictionary of Economies and Commerce*, 5th Edition, R. Macdonald & Evans, p. 62
2. Muhammad Qutb, *Islam aur Jadeed Zehn ke Shubuhat*, Al-Badr Publications, Lahore, 1981, p. 173
3. Ameen Ahsan Islahi, *Pakistani Aurat Dorahay Par*, Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an, 1978, p. 71
4. Jacob Young, *Newsweek*, April 16, 1984, New York
5. Parveen Shakir, *Sad Barg*, Ghalib Publishers, Delhi, 1981, p. 110
6. Aizan, p. 272
7. Naseem Syed, *Aadhi Gawahi*, Irtiqa Matbu'at, Karachi, 1994, p. 47
8. Aizan, p. 47
9. Parveen Shakir, *Sad Barg*, p. 113
10. Dr. Muhammad Tanveer, *Parveen Shakir ki Sha'iri: Aik Tanqeedi Jaiza*, Educational Publishing House, Delhi, 2014, p. 54
11. Fakhra Noreen, *Sarmayi Nazmein*, Collage Publications, Lahore, 2025, p. 14
12. Amberin Salahuddin, *Sadiyon Jaisay Pul*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2019, p. 106
13. Fakhra Noreen, *Sarmayi Nazmein*, p. 49
14. Najma Rehmani, *Azadi ke Baad Urdu Shairaat*, Bharat Offset, Delhi, 1994, p. 79